Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 36, Sr.No.101, 2015, pp 05 - 18

مجلہ تحقیق
مجلہ کلیہ علوم شرقیہ
جلد ۳۶، اکتوبر۔دسمبر ۲۰۱۵ء، شمارہ ۱۰۱

سید سبطِ حسن! نظریے اور ادب کی آمیزش

حماد رسول☆ ڈاکٹر قاضی عابد☆☆

Abstract:

Sibt-e-Hassan in most of his writings makes a synthesis of ideology and literary materialism. This article intends to trace this synthesis in his writing overall. Sibt-e-Hassan started his literary carrier by writings on the literary worth of old civilization specially the translation and introduction of the story of "Gilgamish" which is considered to be the very first story in the world like wise his other writings Naveed-e-Fikr, Pakistan main tehzeeb ka irtiqa, Sukhan dar Sukhan, Mosa sey Marx tak, Afkar-e-Taza, Pakistan key tehzeebi-o-siaysi masail, Shehr-e-Nigaran, The battle of Ideas, Marx aur Mashriq, Mugani-e-Atish Nafs: Sajjad Zaheer, Adab aur Roshan Khiali, Mazi kay mizar and Inqalab-e-Iran have been analyzed in the context. This article concludes the Sibt-e-Hassan was a writer who successfully made a synthesis of ideology by literature.

سید سبطِ حسن کا شمار ہمارے ملک کی ان چند نابغہ ہستیوں میں ہوتا ہے جنھوں نے صحافت، سیاست، ادب، تاریخ اور سماجی علوم کے ذیل میں نہایت گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ جنھیں کسی طور بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ سبطِ حسن اس عقلی ہیجان کے وارث تھے جس کا آغاز قندور سے، کبانے، دیدرو، ہولباخ، والٹیئر اور ماں تسکو سے ہوتا ہے مسلم تاریخ میں اس کا آغاز واصل بن العطاء (معتزلہ)، مصر میں محمد عبدہ، ترکی میں نامق کمال اور شام میں امیر شکیب ارسلان اور برصغیر پاک و ہند میں سرسید احمد خان کا نام ہمارے سامنے آتا ہے۔ روشن خیالی اور عقلیت پسندی کی اس روایت کو آگے بڑھانے میں سبطِ حسن کا ایک خاص کردار ہے۔ ترقی پسندی، روشن خیالی اور مارکسی فکر ان کی ذات کا حصہ تھی۔ ادب زندگی کا عکاس

☆ پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اُردو، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان
☆☆ استاد شعبہ اُردو، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

وترجمان ہوتا ہے اور ترقی پسند تحریک کے زیر اثر شعراء اور ادباء نے نہایت گرانقدر ادب تخلیق کیا مگر کسی بھی فکری تحریک اور رجحان کو صرف تخلیقی ادب تک محدود نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی دوسری اور بھرپور جہت فکری تحرک کی ہوتی ہے۔ کوئی بھی زندہ اور ہمہ گیر تحریک جو اپنے عصر کا گہرا شعور رکھتی ہے۔ تہذیبی مسائل کو بھی زیر بحث لے کر آتی ہے جس میں تاریخ، فلسفہ، الٰہیات، سماجیات اور دیگر جملہ علوم وفنون شامل ہیں۔

سبط حسن نے نہایت نامساعد حالات میں مسائل زندگی کو اپنی گفتگو اور مطالعہ کا موضوع بنایا اور ان مسائل زیست کی تفہیم وتعبیر کیلئے عقلیت پسندی اور سائنسی طرزِ فکر کو اختیار کیا۔ سبط حسن ایک کمٹیڈ مارکسسٹ تھے اور یہی وابستگی اور کمٹمنٹ تھی کہ انہوں نے تاریخ، تہذیب، عقائد، ادب، افکار ونظریات اور سماج کے مطالعہ کیلئے مارکسی نقطۂ نظر اختیار کیا ہے۔ سبط حسن کی شخصیت کے کئی پہلو ہیں جن میں صحافت، سیاست، ادیب، مورخ، ماہرِ سماجیات و بشریات شامل ہیں اور ان میں سے ہر جہت میں سبط حسن نے نمایاں کام کیا ہے جو کہ ایک مثال کی حیثیت رکھتا ہے۔

سبطِ حسن کی خدمات کی کئی جہات ہیں اور ان میں ہر ایک جہت اپنی جگہ ایک مکمل باب کی حیثیت رکھتی ہے لیکن ہم انہیں تین بنیادی جہات میں تقسیم کرتے ہوئے ان کی شخصیت اور خدمات کا جائزہ لیں گے ان کی خدمات کی پہلی جہت بطور سیاسی کارکن کے ہمارے سامنے آتی ہے۔ اپنی اس حیثیت میں سبط حسن نے قیام پاکستان سے قبل اور اس کے بعد بھی انقلابی عناصر کے شانہ بشانہ بے لوث کام کیا۔ مارکسی فکر سے وابستگی اور مارکسی نصب العین سبطِ حسن کیلئے زندگی کا نمایاں مقصد تھا۔ سبطِ حسن نے پوری زندگی انسانیت کی فلاح کیلئے کام کرتے ہوئے بسر کی۔ انڈین کمیونسٹ پارٹی کے کارکن کی حیثیت سے ہر محاظ پر سبط حسن برسر پیکار دکھائی دیتے ہیں۔ قیام پاکستان سے قبل یہی لوگ تھے جو کہ رائے عامہ کو پاکستان کے حق میں ہموار کرنے کیلئے فکری سطح پر کام کر رہے تھے اور ذہن سازی کیلئے ایسا لٹریچر شائع کر کے تقسیم کر رہے تھے جس سے منزل کا حصول آسان ہو سکے۔ ان کاموں کو سرانجام دینے کیلئے کارکن کتنے جوکھم اٹھا رہے تھے اس کا اندازہ باہر سے لگانا مشکل ہے۔ پارٹی کے جلسوں میں پارٹی ارکان اور رہنما ہندوؤں کے علاقوں میں جا جا کر مسلمانوں کے حق میں اور اُن کے حق خودارادیت کے حوالہ سے رائے عامہ کو ہموار کیا کرتے تھے۔ ان میں موہن کمار منگلم، این کے کرشنن اور بی ٹی رام وغیرہ ان جلسوں میں پاکستان کے حق میں تقاریر کیا کرتے تھے۔

''صاحب پارٹی کے باقاعدہ جلسے ہوا کرتے تھے مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ان جلسوں میں موہن کمار منگلم، این کے کرشنن، بی ٹی رام وغیرہ تقریریں کیا کرتے تھے پاکستان کی حمایت میں ہندوؤں کے

علاقوں میں ہندوؤں کو سمجھایا کرتے تھے کہ مسلمانوں کے حق خودارادیت کے کیا معنی ہیں اور مسلم لیگ کی تاریخ کیا ہے۔ یہ کام کرتے تھے کمیونسٹ پارٹی کے رہنما اور کارکن۔ اس کا صلہ کیا ملا؟ یہ کہ جب پاکستان میں ہم نے ''انقلاب چین زندہ باد'' کے عنوان سے پہلا پمفلٹ چھاپا، ویسے تو مجھے کہتے ہوئے شرم آتی ہے تو خیر یہ سولہ صفحات کا پمفلٹ میں نے لکھا تھا جب چین کی سرخ فوجیں آگے بڑھ رہی تھیں تو جناب اس پر پابندی لگادی گئی عجیب بات ہے نا کہ جس چین کے ساتھ آج ہمارے حکمران دوستی کے گیت گاتے نہیں تھکتے ۱۹۴۸ء میں اس کی حمایت میں لکھے جانے والے پمفلٹ پر جس میں پاکستان کا ذکر تک نہیں تھا، پابندی لگادی گئی تھی''۔[۱]

یہ سبطِ حسن اور ان کے ساتھی ہی تھے جنہوں نے سب سے پہلے پاکستان کے حق میں کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا کے پلیٹ فارم سے قرارداد منظور کی تھی اور مسلم لیگ کو ترقی پسند قومی جماعت قرار دیا گیا۔ اس قرارداد کو منظور کروانے میں سید سجاد ظہیر کے علاوہ سبط حسن نے نمایاں کردار ادا کیا تھا اور یہ سب ایک ایسے کٹھن مرحلہ میں ہو رہا تھا جب پاکستان کی تحریک کا ساتھ دینے والا کوئی نہ تھا۔ پارٹی نے اپنے اخبارات میں نہایت اصولی مؤقف کے ساتھ پاکستان کے حق میں لکھا کہ ایسی توفیق مسلم لیگ کے رہنماؤں کو نہ ہوئی تھی۔ بعض رہنما تو حق خودارادیت کے مفہوم سے بھی واقف نہ تھے۔ پارٹی کے کارکن اخبار بیچنے کیلئے جاتے تھے تو انہیں پیٹا جاتا تھا اور وہ بھی اس بری طرح کہ وہ لہولہان ہو کر واپس آتے تھے ان کا قصور یہ تھا کہ وہ پاکستان کے حق میں بات کرتے تھے۔ لیکن جواب میں جو رویہ پارٹی اور پارٹی کارکنان کے ساتھ رکھا گیا وہ نہایت شرمناک ہے قیام پاکستان کے فوری بعد ہی اس پارٹی پر یعنی کمیونسٹوں پر تشدد کا آغاز کر دیا گیا اور سجاد ظہیر کو پاکستان نہ آنے دیا گیا۔ سبط حسن اس حوالہ سے علی احمد فاطمی کو انٹرویو دیتے ہوئے کہتے ہیں:

''بھئی یہ آپ نے کس چیز کا ذکر چھیڑا ہے اور کہاں پر۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ پاکستان میں اس وقت پارٹی کی توقیر ہوتی جس نے ایسے وقت میں پاکستان کی تحریک کا ساتھ دیا جب اس کا کوئی پوچھنے والا نہیں تھا، کوئی نام لیوا نہیں تھا ہم نے جس طرح سے اپنے اخباروں میں اس تحریک کی تائید میں لکھا اور جس اصولی طور پر پیش کیا اس کی تو مسلم لیگی لیڈر کو بھی توفیق نہ تھی انہیں حق خودارادیت کا معلوم ہی نہیں تھا کہ کیا چیز ہوتی ہے۔ یقین مانیے کہ مسٹر جناح ہمارے اخبار پیپلز وار میں خود نشان لگایا کرتے تھے مضامین میں۔ ہم اپنا اخبار ہر ہفتے خود بیچتے تھے سڑکوں پر گلیوں میں تو ہمارے ہندو کارکن محلوں میں اخبار بیچنے جاتے تھے، لہولہان ہو کر واپس آتے تھے انہیں پیٹا جاتا تھا۔ ان سے پرچے چھین کر جلا دیے جاتے

تھے کیونکہ وہ بے چارے ہندو علاقوں میں جا کر پاکستان کی بات کرتے تھے یہ تو ہمارا سلوک تھا تحریک پاکستان سے، اور آپ نے پاکستان بننے کے بعد جو کچھ ہمارے ساتھ کیا وہ ہم ہی جانتے ہیں کون سا تشدد ہے جو کمیونسٹ پارٹی کے کارکنوں پر نہیں کیا گیا۔ بجائے اس کے آپ کبھی جھوٹے منھ سے ہی ہمارا شکریہ ادا ادا کرتے کہ اس پارٹی نے انتہائی نامساعد حالات میں بڑی اخلاقی جرأت کے ساتھ ہماری حمایت کی، آپ کی زبان سے تعریف کا ایک لفظ بھی نہ نکلا ۱۹۴۷ء کے بعد ہی سے کمیونسٹوں پر تشدد شروع کر دیا گیا''۔[۲]

سبط حسن کہتے ہیں کہ ہماری پارٹی کا یہ ماننا تھا کہ مسلمان تحریک جو کہ اپنا حق خود ارادیت کا لازمی حق رکھتی ہے کو اس کا اختیار دینا چاہیے اور یہی نظریاتی اور اصولی موقف تھا جو کہ ہم نے اختیار کیا ہوا تھا اور ہمارا نعرہ آزاد ہندوستان میں آزاد پاکستان تھا۔ یہ سب کام ایک سیاسی کارکن کی حیثیت سے سبط اور ان کے پارٹی اراکین سرانجام دے رہے تھے۔ کانگریس اور نیشنلٹ تحریک کے خلاف جا کر یہ لوگ پاکستان کے حق میں آواز اٹھا رہے تھے جو کہ مخالفین کو پسند نہ تھا۔ اس جرم کی پاداش میں کمیونسٹ پارٹی کے دفتر پر حملہ کیا گیا سبط حسن بھی حملہ کے وقت دفتر میں موجود تھے اس حملہ کی روداد سبط حسن یوں بیان کرتے ہیں:

''آپ کو تو معلوم نہیں کہ کمیونسٹ پارٹی کے دفتر پر زبردست حملہ ہوا تھا میں خود وہاں موجود تھا ہمارا دفتر بمبئی میں کھیتی واڑی میں تھا۔ پاٹل کا جلسہ چوپاٹی پر تھا پاٹل ہزاروں لوگوں کو ہمارے خلاف مشتعل کر کے لے آیا اور پارٹی دفتر کو پوری طرح گھیر لیا۔ نیچے ہماری کتابوں کی دکان تھی اس کو آگ لگا دی جب وہ آگ لگائی گئی تو اس وقت پارٹی ہیڈ کوارٹر میں چار پانچ بچے تھے کامریڈوں کے، ان کی بیویاں تھیں اور ہم لوگ تھے ہمارے پاس مقابلے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا ہمیں کیا معلوم تھا کہ حملہ ہوگا اتفاق ایسا ہوا کہ انہی دنوں پارٹی ہیڈ کوارٹر میں مرمت کا کام ہونے والا تھا اس مقصد کے لیے وہاں کچھ اینٹیں وغیرہ پڑی ہوئی تھیں۔ ہم اینٹیں توڑتے اور باہر نکل کر حملہ آور کا مقابلہ کرتے رہے وہ دو طرف سے حملہ آور تھے ہم لوگ سخت زخمی ہوئے انہوں نے ہمارا ٹیلی فون بھی کاٹ دیا تھا۔ کوئی مدد کرنے والا نہیں تھا حملہ آور سمجھ رہے تھے کہ دفتر میں ہمارے خاصے آدمی ہیں اس لیے وہ مکمل طور پر دھاوا بولتے ہوئے ڈرتے تھے۔ ہمارے قریب ترین مسلمان مزدوروں کی بستی تھی مدنپورہ۔ ہمارے دو چار آدمی چھپ چھپا کر وہاں پہنچے اور وہ لوگ ہماری مدد کو آئے پھر تھوڑی دیر بعد پریل سے بھی مزدور آ گئے۔ مدد آئی تو حملہ آور بھاگ نکلے جو کچھ پاکستان کے لیے ہم نے کیا اور اس کا جو اجر ہمیں دیا گیا اس کے بارے میں سوچ کر شدید دکھ ہوتا ہے''۔[۳]

قیام پاکستان کے بعد بھی سبط حسن نے پارٹی سے وابستہ رہتے ہوئے اور پارٹی منشور کے مطابق پاکستان کی مزدور فیڈریشنوں کیلئے نہایت قابل قدر خدمات سرانجام دیں اور ان قوتوں کے ساتھ مل کر جو کہ محنت کش طبقہ پر مشتمل ہیں ہر آمرانہ قوت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔

ایوب خان کے مارشل لاء میں پروگریسو پیپرز لمیٹڈ کو بھی باعث عتاب ٹھہراتے ہوئے اس پر پابندی لگا دی گئی، اس کے اخبار اور رسائل کو بھی قومی تحویل میں لے لیا گیا اور سبط حسن کو اس جرم میں جیل جانا پڑا۔ اس سے قبل پنڈی سازش کیس ۱۹۵۱ء میں ترقی پسند سیاسی کارکنوں، صحافیوں اور ادیبوں کو گرفتار کیا گیا تو سبط حسن کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ لیکن سبط حسن کے نظریات میں کوئی تبدیلی نہ آئی اور نہ ہی ان کے سیاسی جذبہ عمل میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی۔

۱۹۵۸ء کے مارشل لاء کے نتیجہ میں ملک بھر میں سیاسی سرگرمیوں پر پابندی عائد کر دی گئی۔ سیاسی جماعتوں کو کالعدم قرار دے دیا گیا۔ سیاسی رہنماؤں کو گرفتار کیا جانے لگا اور جو آزادی لوگوں کو حاصل تھی وہ اس سے بھی محروم کر دیئے گئے۔ لیکن سبط حسن نے جیل سے رہائی کے بعد اپنی سیاسی سرگرمیوں کا رخ تبدیل کیا اور انڈر گراؤنڈ رہتے ہوئے پاکستان کے حالات کا سیاسی تجزیہ عوام کے سامنے لے کر آتے رہے اس کے لیے وہ فرضی نام استعمال کرتے تھے۔ یا کسی اور کے نام سے اپنی تحریر شائع کرتے تھے۔ ''پاکستان کے تہذیبی و سیاسی مسائل'' جو کہ سبط حسن کے لکھے ہوئے اداریوں پر مشتمل ہے میں پاکستان کی سیاسی اقتصادی اور نظریاتی صورتحال پر نہایت بلیغ اور چشم کشا تحریریں ہیں۔ سیاسی اعتبار سے سبط حسن نے اپنے نظریہ کی پاسداری کرتے ہوئے اور نظریہ کی روشنی میں اپنے خیالات و افکار کو عوام تک منتقل کیا ہے۔ یہ سیاسی اور علمی ورثہ بلاشبہ کسی سرمائے سے کم نہیں ہے اور بعض تحریریں تو ایسی ہیں جو کہ آج کے زمانہ میں بھی غیر متعلق نہیں ہیں اور آج بھی راہنمائی کا باعث ہو سکتی ہیں۔

سبط حسن کی دوسری جہت ایک صحافی کی ہے۔ صحافت کے میدان میں بھی ان کی خدمات نہایت گرانقدر ہیں۔ اپنے زمانہ طالب علمی میں ہی سبط حسن نے چند ساتھیوں کے ساتھ مل کر لکھنؤ سے ''پیام'' کے نام سے ماہنامہ نکالا تھا اور اس کے بعد علی سردار جعفری اور مجاز کے ساتھ مل کر ''نیا ادب'' کا اجراء بھی کیا تھا۔

مولوی عبدالحق کے کہنے پر سبط حسن حیدرآباد میں قاضی عبدالغفار کے پاس چلے گئے جہاں سے انہوں نے قاضی عبدالغفار کے ہفت روزہ ''پیام'' میں اپنی خدمات سرانجام دیں اور پیام کے ذریعہ سے لوگوں میں شعور و آگہی پیدا کرنے میں اپنا حصہ ملایا۔ ''پیام'' کے بعد سبط حسن سید سجاد ظہیر کے کہنے پر پارٹی کے رسالے ''قومی جنگ'' کیلئے اپنی خدمات سرانجام دینے لگے اور اب سبط حسن نے پارٹی کو مکمل طور پر یعنی

کل وقتی کارکن کے طور پر اختیار کر لیا تھا۔ پارٹی رسائل میں سبط حسن نے نہایت فکر انگیز تحریریں لکھیں جو کہ پارٹی کے منشور کو عوام تک پہنچانے کا وسیلہ تھیں۔

میاں افتخار الدین جو کہ پروگریسو پیپرز لمیٹڈ کے مالک تھے نے جب لیل ونہار کے اجراء کا فیصلہ کیا تو سبط حسن کو اس کا ایڈیٹر بنا دیا گیا۔ لیل ونہار کا اجراء دو بار ہوا اور دو بار ہی اس پر پابندی عائد کی گئی۔ سبط حسن لیل ونہار میں صرف دو سال تک رہے۔

''لیل ونہار کا پہلا پرچہ ۲۰ جنوری ۵۷ء کو شائع ہوا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ نومبر ۵۶ء میں اس پرچے کی ادارت میرے سپرد کرتے وقت میاں صاحب مرحوم نے کہا تھا کہ میں اس پرچے کو الہلال اور ہمدرد کی مانند ایک یادگار پرچہ بنانا چاہتا ہوں اور میں نے عرض کیا تھا کہ آپ کو الہلال اور ہمدرد کا انجام شاید یاد نہیں اور میاں صاحب نے فرمایا تھا کہ سب یاد ہے لیکن میں اور تم دونوں جیل کے عادی ہیں پھر ڈر کس بات کا''۔[۴]

سبط حسن صحافت کی اس روایت کے امین تھے۔ جو کہ اصولی صحافت اور اعلیٰ نصب العین کی صحافت تھی۔ منافع خوری اور مفاد پرستی کی صحافت کا انداز ان کے ہاں نہیں تھا۔ قید و بند کی سختیاں اور صحافتی پابندیاں بھی سبط حسن کا راستہ نہ روک سکیں۔ لیل ونہار کے اداریوں کے ذریعہ سے سبط حسن نے پاکستان کے جن سیاسی، سماجی اور معاشی و اقتصادی معاملات پر قلم اٹھایا ہے وہ ایک مکمل تھیسیز کی حیثیت رکھتے ہیں لیل ونہار کی پہلی اشاعت کی پذیرائی توقع سے بڑھ کر ہوئی تھی۔ سبط حسن کے اپنے الفاظ ہیں:

''لیل ونہار شائع ہوا تو قارئین نے اس کی توقع سے بڑھ کر پذیرائی کی۔ مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ بعض اوقات پرانے پرچے ڈیڑھ روپے دو روپے میں خریدتے تھے (لیل ونہار کے ایک شمارے کی قیمت آٹھ آنے تھی) مئی ۱۹۵۷ء میں جنگِ آزادی نمبر شائع ہوا تو سارے ملک میں دھوم مچ گئی اور پریس کو ایک ہفتے کے اندر چار ایڈیشن چھاپنے پڑے پھر بھی مانگ پوری نہ ہوئی''۔[۵]

سبط حسن کے خیال میں مقبولیت کی وجہ لیل ونہار کا حسن ترتیب نہ تھا بلکہ اس کے مندرجات تھے جن میں عوام کے جذبات و احساسات کی ترجمانی کی جاتی تھی۔ ۱۹۷۰ء میں سبط حسن نے لیل ونہار کی صحافتی پالیسی اور جدوجہد کے حوالہ سے لکھا۔

''پروگریسو پیپرز کے دوسرے پرچوں، پاکستان ٹائمز اور امروز کی مانند لیل ونہار کی بھی آرزو تھی کہ پاکستان ایک فلاحی ریاست بنے اور یہاں حقیقی معنوں میں جمہوری حکومت قائم ہو۔ وہ چاہتا تھا کہ پاکستان امریکہ کی معاشی فوجی اور سیاسی گرفت سے آزاد ہو کر ایک باعزت ملک کی حیثیت سے ترقی

کرے اور سیٹو اور سنٹو کے فوجی معاہدوں سے گلوخلاصی پائے۔ وہ چاہتا تھا کہ ملک میں جمہوری اقدار کو فروغ ہو اور سرمایہ اداروں اور جاگیرداروں اور سرکاری افسروں کا جو امریکہ کے وظیفہ خوار تھے زور ٹوٹے۔ اسمبلیوں کے انتخابات ہوں اور ان میں عوام کے چنے ہوئے نمائندے شریک ہو کر زمامِ اختیار اپنے ہاتھوں میں لیں۔ اسی بناء پر ارباب اقتدار ان پر چوں پر اور ان کے روح رواں میاں افتخار الدین پر ملک کا دشمن، روس اور چین کا ایجنٹ اور اسی قسم کے دوسرے بے بنیاد الزامات لگاتے تھے۔ مگر خود زمانے نے بتا دیا کہ میاں صاحب اور ان کے اخباروں کا موقف درست تھا یا ان بزرگوں کا جو ہماری مخالفت کرتے تھے۔ آج ملک کے سبھی اخبار و جرائد وہی باتیں کہہ رہے ہیں جو ہم اب سے دس برس پہلے کہتے تھے اور موردِ الزام ٹھہرتے تھے''۔[۶]

لیل ونہار کے بعد سبطِ حسن ڈان اور ہفت روزہ ''ویو پوائنٹ'' میں وقتاً فوقتاً مضامین لکھتے رہے۔ یہ تمام تحریریں پاکستان کے تہذیبی مسائل کے حوالہ سے تھیں جو کہ نہایت وقیع اور چشم کشا ہیں۔ سبطِ حسن کی صحافیانہ عظمت کا اعتراف غیر ملکی صحافیوں نے بھی کیا اور سبطِ حسن کے احترام میں اپنی تحریریں اخبارات میں دینے سے انکار کر دیا یہ احتجاج اصل میں خراج کی ایک صورت تھا۔ وولفرم کرنوسکی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''اس وقت وہ دنیا کے مشہور اخبار "New Age" کے نمائندے کے طور پر کام کرنے کے باعث اقوامِ متحدہ میں بھی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ یہ وہی زمانہ تھا جب بین الاقوامی اشتراکیت کے خلاف میکارتھی اور اس کے ساتھی تحریک چلا رہے تھے۔ اس لیے سبطِ حسن بھی نشانہ بنے اور امریکی اربابِ اختیار نے ان کو ملک سے نکال دیا۔ سبطِ حسن کے ملک بدر کیے جانے کے دوسرے دن امریکا کے سربرآوردہ صحافیوں نے اخبار سے احتجاج کیا اور سبطِ حسن کے احترام میں اپنے مضامین دینے سے انکار کر دیا تھا جو ان کے لیے امریکی ساتھیوں کے احترام کا منھ بولتا ثبوت تھا''۔[۷]

سبطِ حسن کی شخصیت کا تیسرا اور اہم پہلو ایک صاحبِ نظر ادیب اور مارکسی دانشور کا ہے۔ ایک ادیب کی حیثیت سے بھی سبطِ حسن نے اپنے نظریات کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنایا ہے۔ سبطِ حسن وسیع المطالعہ انسان تھے۔ اقتصادیات، عمرانیات، بشریات، سیاسیات اور تاریخ کا بھی گہرا مطالعہ کر رکھا تھا۔ جس کی بنا پر ان کی تحریروں وسعت اور گہرائی پیدا ہو گئی تھی۔ علم بشریات کے مطالعہ کی وجہ سے سبطِ حسن انسانوں کی تہذیب وتمدن کا مطالعہ اسی علم کی روشنی میں کرتے ہیں۔

اُن کی تصنیف 'ماضی کے مزار' اس علم بشریات پر بنیاد کرتی ہے اور جہاں بھی انہوں نے سماجی موضوعات پر قلم اٹھایا ہے انسان کی ارتقائی تاریخ کو پیشِ نظر رکھ کر اٹھایا ہے۔ دنیا کی اقوام کے بارے میں

ان کی معلومات حیران کن ہیں اور یہ سب ان کی سیاحت اور سماجی علوم سے دلچسپی کی وجہ سے ہے۔ اقوام عالم کی تہذیبی صورت کو جاننے کیلئے اُنہوں نے سیاحت سمیت ہر ممکن ذریعہ اختیار کیا۔ کسی بھی قوم یا تہذیب کو جاننے کیلئے ضروری ہے کہ آپ اس کے آلاتِ پیداوار اور اوزاروں سے واقفیت حاصل کریں کیونکہ یہی دو چیزیں بتاتی ہیں کہ اس قوم میں تہذیب تمدن پائی جاتی تھیں یا ہیں اس حوالہ سے سبط حسن کھنڈرات تاریخی مقامات اور نوادرات پر خصوصی توجہ دیتے تھے۔ سماجی علوم کے ان متنوع موضوعات کا مطالعہ سبطِ حسن نے مارکسی فکر کی روشنی میں کیا اور حاصل کردہ نتائج کو بھی اس فکر کی روشنی میں مربوط کر کے نہایت ایمانداری کے ساتھ عوام کے ساتھ رکھا۔

مارکسزم کسی بھی شئے کے مطالعہ کیلئے سائنسی طرز فکر کو اختیار کرنے پر زور دیتا ہے کیونکہ اس طرز فکر کے ساتھ انسان صحیح اور درست نتائج تک پہنچ سکتا ہے۔ ورنہ جذباتی طرز فکر گمراہ کن نتائج سامنے لے کر آتی ہے جو قوموں کے زوال کا سبب بنتے ہیں تاریخی مادیت کی روشنی میں افکار و نظریات کا جائزہ مارکسزم کا میدان ہے اور سبط حسن اس پیمانے سے بخوبی واقف ہیں وہ تجزیہ کرتے ہوئے ماضی اور حال کی درمیانی تاریخ کو پیش نظر رکھتے ہیں اور یہی ان کا ایک بڑا کارنامہ ہے۔ ایک اہم بات جو کہ ذہن نشین رہنا ضروری ہے کہ سبط حسن نے اپنی تمام تصانیف بہ زبانِ اُردو تحریر کی ہیں ماسوائے ایک کتاب The battle of ideas in Pakistan کے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سبط حسن نے اپنی بقیہ تمام تصانیف کو بھی انگریزی زبان میں کیوں نہ تخلیق کیا۔ حالانکہ اس انگریزی کتاب کی زبان سے سبط حسن کی زبان دانی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ اس سوال کا جواب ہرگز مشکل نہیں ہے اگر ہم سبط حسن کی زندگی اور افکار و نظریات پر ایک نگاہ ڈال لیں، گو کہ سبطِ حسن کا تعلق ایک زمیندار گھرانے سے تھا۔ مگر سوشلزم سے وابستگی نے انہیں ہر چیز چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ سوشلزم اس بات پر زور دیتا ہے کہ انسان کی ذات سے زیادہ اہم دوسروں کی ذات ہے پرولتاریہ کا حق آپ پر زیادہ ہے اور سماج میں موجود طبقاتی تقسیم خواہ کسی صورت میں بھی ہو قابل قبول نہیں ہے۔ اور چونکہ سبط حسن نے اپنی تمام زندگی عوام کیلئے وقف کر رکھی تھی اس لیے اُن کی تحریریں بھی عوام کیلئے اور عوام کی زبان میں تھیں۔

مارکسی فکر سبط حسن کے ہاں بنیادی اہمیت کی حامل ہے اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب ''ماضی کے مزار'' میں دجلہ و فرات کی تہذیب کا جائزہ مارکسزم کے اصولوں کی روشنی میں لیا ہے۔ وہ تہذیب جو کہ ہزاروں سال ہوئے امتداد زمانہ کے ہاتھوں نابود ہو کر زیر زمین چلی گئی اور جس کی باقیات اب کھنڈرات کی صورت میں ہمارے سامنے ہیں اپنے عہد کی کہانی سنا رہے ہیں۔ اس کتاب میں سبط حسن نے بنیادی طور پر مختلف تہذیبوں میں پائے جانے والے عقیدۂ تخلیق کو مارکسزم کے اصولوں کی روشنی میں

بیان کیا ہے اور وہ اصول یہ ہے کہ زندگی شعور سے جنم نہیں لیتی بلکہ شعور زندگی سے جنم لیتا ہے۔ یعنی مادہ کو شعور پر فوقیت حاصل ہے۔ پس اس لئے سبط حسن نے عقیدۂ تخلیق کا کھوج لگانے کیلئے ان کے مادی حالات کو بنیاد بنایا ہے۔ سبط حسن کا ماننا ہے کہ آلات واوزار ہی کسی تہذیب کے بارے میں جاننے کا بہترین وسیلہ ہو سکتے ہیں۔

تخلیق کائنات کا سلبی عقیدہ زیادہ قدیم ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ابتدائی انسان کو تخلیق کا شعور عمل افزائش اور پیدائش کے ذریعہ سے ہی ہوا تھا۔ جانوروں کے ہاں بچوں کی پیدائش اور بعد ازاں عورت کے ہاں بچے کی پیدائش نے اس کے عقیدہ تخلیق کو وضع اس حوالہ سے عورت کی اہمیت وضع ہوئی اور اسے تخلیق کا منبع سمجھا گیا اور عورت کو پیداوار کی دیوی قرار دیا گیا کیونکہ انسان دیکھتا تھا کہ وہ افزائش کرتی ہے، کائنات کی تخلیق کا دوسرا رشتہ جدلی رشتہ ہے جو کہ آویزش پر انحصار کرتا ہے۔ یہ خیال سماج میں اس وقت پیدا ہوا جب وہ طبقات میں تقسیم ہو گیا اور جنگ وجدل اور آویزشوں کا شکار ہو گیا۔ لیکن ابتدائی مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس عہد کا انسان فکری اعتبار سے جمود کا شکار تھا۔ جس کی وجہ سے سبط حسن کے خیال میں یہ ہے۔

''بظاہر یہ بڑی حیرت انگیز بات معلوم ہوتی ہے لیکن وادیٔ دجلہ وفرات کے لوگوں کے خیالات میں اس پورے دور میں درحقیقت بہت کم تبدیلیاں نظر آتی ہیں۔ یہ دُرست ہے کہ اس مدت میں وہاں بار بار سیاسی تغیرات رُونما ہوئے۔ کبھی سلطنت بابل کا پرچم اقتدار بلند ہوا۔ کبھی کسدیوں اور ایرانیوں کی یلغار کا شور مچا اور کبھی شور کی فتوحات کا غلغلہ اُٹھا۔ لیکن معاشرے کے ڈھانچے میں کوئی فرق نہ آیا بلکہ پُرانے طبقاتی رشتے اُسی جگہ بدستور قائم رہے۔ چنانچہ مندر کے پروہتوں کا تسلط ہو یا نظم ونسق کے اصول، زراعت کے طریقے ہوں یا صنعت وحرفت کے انداز جو شرد قین اور حمورابی کے عہد میں تھے وہی اشور بنی پال اور بخت نصر کے زمانے میں بھی رائج رہے۔ بہت ہوا تو سومیریوں کے الودیوتا کی جگہ بابل کے مُردک کو مل گئی یا اُلوکا نام شمس ہو گیا ورنہ پرانے رسوم ورواج اور طرز زندگی میں کوئی بنیادی فرق نہیں آیا۔ اور فرق آنا ممکن بھی نہ تھا کیونکہ کسی معاشرے کے طرز زندگی اور فکری اسلوب میں تبدیلیاں اُسی وقت پیدا ہوتی ہیں جب معاشرے کا وجود ان تبدیلیوں کا متقاضی ہو اور معاشرے کا وجود اُسی وقت تبدیلیوں کا تقاضا کرتا ہے جب پیداوار کے پُرانے رشتے معاشرے کے ترقی کی راہ میں حائل ہونے لگیں تب نئے اور پرانے خیالات آپس میں ٹکراتے ہیں۔ فرسودہ رشتوں اور فکروں کی مخالفت شروع ہوتی ہے اور نئے افکار ونظریات پیش کئے جاتے ہیں وادیٔ دجلہ وفرات کے لوگوں کو تقریباً دو ہزار برس تک عناصر پیداوار یا پیداواری رشتوں کو بدلنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ وہی کانسی کے آلاتِ پیداوار اور آلاتِ جنگ جو

شہری ریاستوں کے ابتدائی زمانے میں استعمال ہوتے تھے چھٹی صدی قبل مسیح میں ایرانیوں کے غلبہ کے وقت بھی رائج تھے نہ معاشرے کی بنیادی ساخت بدلی اور نہ خیالات اور عقائد کی دنیا میں کوئی ہلچل پیدا ہوئی یہی وجہ ہے کہ عراق کی سرزمین سے زرتشت، مانی یا مزدک کی مانند کوئی انقلابی شخصیت کبھی نہ اُبھری اور کوئی ایسی سماجی تحریک پیدا ہوئی جو پرانے توہمات اور عقائد کے خلاف احتجاج کی آواز بلند کرتی ہے''۔[۸]

''موسیٰ سے مارکس تک'' میں سبط حسن نے سوشلزم کی تاریخ کو بیان کیا ہے۔ابتدائی ابواب میں سبط حسن نے قدیم اشتراکیت کے تصور پر روشنی ڈالی ہے۔اور اس تصور کی روشنی میں لوگوں کی طرزِ بود و باش اور نظام حیات کا مطالعہ کیا ہے۔اس کے بعد کے ابواب میں جدید اقتصادی رویوں کا جائزہ لیا گیا ہے اور آخر میں مارکسزم اور اینگلز کے اشتراکی نظریات کا جائزہ بالتفصیل لیا گیا ہے۔

سبط حسن کی اس کتاب پر سب زیادہ اعتراضات کئے گئے اور اس کے نام ہی سے ایک مغالطہ نے جنم لے لیا جو کہ مبنی بر جہالت تھا۔اس کتاب میں سبط حسن نے سوشلزم اور مارکسزم کی فکر کا جائزہ ایک ارتقائی صورت میں لیتے ہوئے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ سماج میں کچھ قوانین ازل سے عمل پیرا ہیں جو کہ اقتصادی ہیں اور ہر سماج کی اقتصادی قوتیں اپنی عمل کاری دکھاتی ہیں جس کے ذریعہ سے سماج طبقات ہی تقسیم ہو جاتا ہے اور جس کے نتیجہ میں امیر و غریب یا طاقتور اور کمزور طبقہ پیدا ہوتا ہے اور سماج میں بغاوت کے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں۔

مارکس اور اینگلز کے نظریات کے بیان سے سبط حسن نے ان افکار و نظریات کو بیان کیا ہے جو کہ سماجی مطالعہ کیلئے ضروری ہیں۔ مارکس کہتا ہے کہ سماجی انقلاب فکری انقلاب کے بغیر وقوع پذیر نہیں ہوتا ہے اور یہ کہ ذرائع پیداوار پر کسی ایک طبقہ کا کنٹرول سماج میں غیر مساویانہ صورت پیدا کر دیتا ہے جو کہ سماج میں ابتری کا باعث بنتی ہے۔

''پاکستان میں تہذیب کے ارتقاء'' میں سبط حسن نے تہذیب کی تعریف اور اس کی تشکیلی عناصر کے بیان کے ساتھ ساتھ ایک ارتقائی صورت میں پاکستان میں تہذیب کے آغاز کا سراغ لگانے کی کوشش کی ہے اور اس مارکسی نظریہ فکر کی روشنی تاریخی مادیت کو بنیاد بناتے ہوئے پاکستان میں تہذیب کے مطالعہ کا آغاز وادیٔ سندھ کی تہذیب سے کرتے ہیں اور اُن عوامل پر جو کہ آریائی، دڑاوڑی، عربی، ایران اور ترک تہذیبوں اور حملہ آوروں کی صورت میں مرتب ہوئے، پر روشنی ڈالتے ہیں:

سبط حسن نے ان تہذیبوں کو ان کے چار تشکیلی عناصر کی روشنی میں دیکھا ہے یعنی (۱) آلات و

اوزار (۲) طبعی حالت (۳) نظام فکر و احساس اور سماجی اقدار ہیں۔ اور انہی چاروں کی روشنی میں تہذیب کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ذرائع پیداوار اور آلات و اوزار کس طور پر تہذیبوں کو متاثر کرتے ہیں سبط حسن نے نہایت خوبصورتی سے بیان کیا ہے بالخصوص سلطنت مغلیہ کے زوال کے اسباب جو زاویۂ فکر سبط حسن لے کر آتے ہیں وہ اس میں سامنے نہیں آیا تھا۔ سلطنت مغلیہ ایک جمود کا شکار ہو کر رہ گئی تھی۔ ان کے طریقہ پیداوار یکسانیت کا شکار ہو گئے تھے جو اس بات کی علامت تھی کہ ان کے ہاں فکری جمود پیدا ہو گیا ہے جس کے نتیجہ میں تبدیلی ضروری ہو گئی تھی۔

انقلاب ایران کے حوالہ سے سبط حسن کی کتاب ''انقلابِ ایران'' ایران میں آنے والے انقلاب پر ایک مفید کتاب ہے جس میں ایرانی انقلاب کو صرف پہلوی ریاست کے تناظر میں نہیں دیکھتے بلکہ ایرانی تاریخ میں اس کی بنیادیں تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں قاچاری عہد سے لے کر شاہ ایران کے عہد تک ایران عوام کی بیداری کو ایران کے طول و عرض میں اٹھنے والی تحریکوں کے تناظر میں دیکھتے ہیں اور انقلاب کے محرکات کو بیان کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ سامراجی طاقتوں کے کردار پر سبط حسن نے مفصل روشنی ڈالی ہے۔ ایرانی بازار کے رجحانات اور غیر ملکی سرمائے کی آمد سے جو نقصانات ہوئے اور عوام کو جن مشکلات سے گذرنا پڑا اس کا بیان ہے۔ سبط حسن نے فقط انقلاب کو بھی موضوع نہیں بنایا بلکہ انقلاب کے بعد کی صورتحال کا بھی بغور جائزہ لیا ہے اور یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ایران انقلاب کے ثمرات کو مربوط نہیں کر سکا جس کے نتیجہ میں وہ تھیوکریسی کے شکنجہ میں جکڑا گیا ہے اور عوام ان ثمرات سے محروم ہو گئے جو کہ انقلاب ایران کی صورت میں حاصل ہونا تھا اور ایک بار پھر سے شخصی حکمرانی غالب آ گئی ہے۔ انقلاب ایران اپنے موضوع کے اعتبار سے ایک وقیع کتاب ہے جو ان تمام عوامل پر روشنی ڈالتی ہے جو کہ اس نقلاب سے متعلق رکھتے ہیں۔

نوید فکر سبطِ حسن کے متفرق موضوعات پر مشتمل مضامین کی صورت میں ہے۔ مگر درحقیقت پاکستان کے حالات کے تناظر میں ریاست اور مذہب کے متعلق کا بیان ہے۔ قیام پاکستان کے بعد ہی سے ریاست اور مذہب کے حوالہ سے جو کشمکش دکھائی دیتی ہے سبط حسن نے اسے نہایت خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ تھیوکریسی کی تاریخ میں سبط حسن بیان کرتے ہیں کہ ابتداء میں ہر ریاست تھیوکریسی پر مبنی تھی تھیوکریسی کے عروج و زوال اور اس کے کردار کے تفصیلی مطالعہ کے بعد سبط حسن اسلامی ریاست کی وضاحت کرتے ہیں اور اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ کیا اسلام اور ریاست لازم ملزوم ہیں یا یہ نقطہ درست نہیں ہے اور اس کے بعد سیکولرازم کا تاریخی جائزہ یوں پیش کیا دیکھا جائے تو یہ کتاب علمی و فکری سرمائے

میں ایک گرانقدر اضافہ ہے۔

فیض احمد فیض ترقی پسند فکر کے حامل مشہور شاعر، ادیب اور دانشور تھے۔ مارکس فکر سے وابستگی فیض کے بھی آدرشوں میں شامل تھی۔ یہ اسی فکر اور نظام حیات کا اثر تھا کہ فیض کی پوری شاعری جدوجہد اور مظلوم طبقوں کی نمائندہ شاعری کے طور پر ابھر کر سامنے آئی ہے۔ فیض قوم اور نسل کے امتیازات سے بالاتر ہو کر مسائل کو اپنا موضوع بناتے ہیں وہ سماج کو دو حوالوں سے دیکھتے ہیں ایک سرمایہ دار اور آمر طبقہ ہے اور دوسرا غریب اور محکوم طبقہ ہے جو کہ اپنے ہونے والے استحصال پر صدائے احتجاج بھی بلند نہیں کر سکتا۔ فیض ایسے طبقے کی آواز بن کر سامنے آتے ہیں۔ فیض کی شاعری ترقی پسند شاعری ہے جس میں فیض کا اعجاز یہ ہے کہ انہوں نے قدیم و جدید روایات کے ملاپ سے اس کے حسن کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ سبط حسن نے اپنی تصنیف ''سخن در سخن'' میں جو کہ ان کی وفات کے بعد اُن کی بیٹی نوشابہ زبیری، مرحوم حسن عابدی اور سید جعفر احمد کی کوششوں سے زیور طبع سے آراستہ ہو کر شائقین اور محبان فیض اور سبط حسن کے ہاتھوں تک پہنچی ہے۔ سبط حسن نے اپنی اس تحریر میں فیض کی شاعری کے تخلیقی اسباب بیان کئے ہیں اور اس پس منظر کو فیض کی شاعری کی تفہیم کیلئے استعمال کیا ہے جس کی بنیاد پر فیض نے یہ تخلیقات کی ہیں۔ سبط حسن کا فیض سے دیرینہ تعلق تھا۔ دونوں اشخاص لیل و نہار سے وابستہ رہے، فکری ہم آہنگی اور درد کے جس مشترکہ رشتہ سے دونوں بندھے ہوئے تھے وہاں پر ایک دوسرے کو جاننے کیلئے لفظوں کو وسیلہ بنانے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے سبط حسن نے بھی اتنی ہی محبت اور احساس کی قوت کے ساتھ فیض کی شاعری کی وضاحت کی ہے۔ تنہائی اور احساسِ تنہائی کا بیان اُردو شعری روایت میں نیا نہیں ہے قدما سے لے کر عہد جدید تک کے ہر شاعر نے تنہائی اور احساس بیگانگی کو نہ صرف اپنا موضوع بنایا ہے بلکہ بیگانگی کے بطن سے جنم لینے والے اس احساس کو مختلف صورتوں کو بھی بیان کیا ہے۔ لیکن سبط حسن فیض کی ''تنہائی'' کے ایک ایسے پہلو کی طرف توجہ مبذول کرواتے ہیں جو اس سے پہلے نگاہِ سے اوجھل تھا یہ پہلو بے سود انتظار اور تنہائی کو یکجائی سے ہمکنار کرنے کی شدید خواہش کا ہے۔ بازاری معاشرے میں سود و زیاں کے الٹ پھیر نے فرد کو لاکھوں کے ہجوم میں بھی تنہا کر دیا ہے۔ بیگانگی اور مغائرت کا یہ عالم ہے کہ اُس کی محنت پیداوار بھی اس کی نہیں رہی ہے۔ سبط فیض کی نظم ''تنہائی'' کے اس پہلو کا مارکسی اصولوں کی روشنی میں جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں:

سود و زیاں کے اس بازاری معاشرے میں ہر شخص لاکھوں کے ہجوم میں بھی تنہا اور بے یار و مددگار محسوس کرتا ہے حتیٰ کہ اُس کی قوت، محنت اور محنت کی پیداوار بھی اُس کی اپنی نہیں رہ جاتی۔ تنہائی کی المناکی اُس سے پوچھئے جس کے لیے روٹی پیٹ کی آگ بجھانے کا واحد ذریعہ ہو۔ وہ ہر رات کسی نہ کسی گاہک کا انتظار

کرتی ہے اور اگر گاہک نہ آئے تو اُس کو اپنے بے خواب کواڑوں کو مقفل کرنا پڑے"۔[۱۰]

مارکس اور مشرق میں سبط حسن نے مشرق پر مارکسی فکر کے اثرات کا جائزہ لیا ہے اور اس ادبی جدلی تعلق کے حوالہ سے تاریخی تناظر میں دیکھنے کی کوشش کی ہے جو کہ مارکسی فکر کی بنیاد ہے اور سامراجی قوتیں جس طرح سے قوموں اور ممالک کو اپنی نو آبادیات بنانے کے لئے مختلف حربے استعمال کرتی ہیں ان کا تجزیہ سوشلزم فکر کے تحت کیا ہے سماج اپنے پیداواری رشتوں سے ارتقاء کی منازل طے کرتا ہے اور ان کی ترقی کا دارومدار انہی پیداواری رشتوں پر ہوا ہے جب تک ان رشتوں میں تبدیلی نہیں ہوتی سماج میں بھی کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی اور جمود کا شکار ہو کر قومیں زوال سے ہمکنار ہو جاتی ہیں۔

سبطِ حسن نے نہایت علمی اعتبار سے مارکسی فکر اور مشرق سے اس کے تعلق کی وضاحت کی ہے اور مارکسزم اور مارکسی مطالعہ کے باب میں یہ ایک اہم کتاب ہے۔

سبطِ حسن نے اپنی شخصیت کی تینوں جہات کے اعتبار سے نہایت وقیع کام کیا ہے سیاست کے میدان سے لے کر صحافت کے دشتِ پر خار تک سبطِ حسن ہمیں نہایت ثابت قدم اور غیر متزلزل ارادہ کے حامل شخص کے طور پر دکھائی دیتے ہیں ایک ایسا بے لوث انسان جسے صرف اپنے سماج کو جہالت کے اندھیروں سے نکال کر علم و شعور کی سرحد کے اس پار لے کر جانا ہے جہاں سائنسی طرزِ استدلال کی حکمرانی ہے اور سبطِ حسن اپنے استدلال کی بنیاد تاریخ اور سماجی ارتقاء کے قوانین پر تعمیر کرتے ہیں۔ان کے خیال میں ہر عہد کا نظام اقدار کا اس عہد کے معروضی حالات، اقتصادی رشتوں اور سماجی ماحول سے متعین ہوتا ہے اس لئے نہ تو موجودہ نظام کے تحت آپ ماضی کے رشتوں اور اقدار کا تجزیہ کر سکتے ہیں اور نہ ہی ماضی کے نظام اقدار کی بنیاد پر حال کا احاطہ کر سکتے ہیں اس کے بجائے یہ دیکھنا چاہیے کہ اس عہد کی کس قوت کا مفاد اس نظام کی بقا میں تھا اور کونسی قوت اس نظام کی تبدیلی کی نقیب تھیں۔

جہاں تک یہ سوال ہے کہ مارکس فکر سے وابستہ لوگوں نے عوام پر کیا اثرات مرتب کئے اور ان کی فکری تطہیر کرنے میں کس قدر کامیاب یا ناکام ہوئے ہیں اور اگر کامیاب ہوئے تھے تو پھر انقلاب یا تبدیلی کیوں نہ آسکی؟ ان تمام سوالات کا جواب حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ ہم مارکسزم اور سوشلزم کے مخالف اور متحارب قوتوں کو جاننے کی کوشش کریں۔ہم جانتے ہیں اور تاریخ کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ انسان ابتداء ہی سے مذہب کے ہاتھوں استعمال ہوتا آیا ہے مذہبی راہنما لوگوں کو اپنے تابع رکھنے کی ہر دم کوشش و سعی میں لگے رہتے ہیں اور حکمران طبقہ بھی ان کے ساتھ مل کر عوام کو اطاعت اور صبر کی تلقین کرتا ہے، تاکہ عوام پر اپنے

اقتدار مضبوط عبنا سکیں، یورپ میں کلیسا کا کردار بھی ایسا ہی رہا ہے سبط حسن اور اسی قبیل کے لوگ جو کہ عوام میں سیاسی و سماجی شعور بیدار کرنے کیلئے جدوجہد کرتے رہے ہیں فکری تحرک پیدا کرنے کیلئے عوام اور سماج میں سوال اٹھائے جن کی بدولت عوام میں تحریک پیدا ہوئی اور انہوں نے اپنے حقوق کے حوالہ سے سوچنا شروع کیا۔فکری اعتبار سے لوگوں کو ثروت مند بنانے کیلئے ان سب نے بے انتہا کام کیا اور اپنی زبان میں بہت سا علم جو کہ صرف مقتدر طبقہ کی رسائی میں تھا عوام تک پہنچایا۔اس حوالہ سے دیکھیں تو اس نسل نے اپنے ذمہ کا کام پوری ایمانداری سے انجام دیا رہا یہ سوال انقلاب کیوں نہ آیا تھا۔اس سلسلہ میں یہ بات بھی جاننے کی ہے کہ اس تحریک سے وابستہ لوگوں کا مقصد خونی انقلاب لانا نہیں تھا کیونکہ ایسا کوئی بھی انقلاب جو کہ فکری انقلاب کا نتیجہ نہ ہو۔بالآخر پہلے سے زیادہ بُری آمریت اور شخصی اقتدار میں تبدیل ہو جاتا ہے اس لئے انہوں نے انقلاب کے زیادہ ضروری پہلو سے بعض فکری تغیر و تبدل پر زور دیا ہے۔

سبط حسن کا ایک کام جو کہ انہیں اپنے ہمعصر لوگوں سے ممتاز بناتا ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے اُردو زبان میں تحریر کیا اور وہ علوم اور افکار و نظریات جو کہ عوام اور نوجوانوں کی رسائی سے دور تھے یا کم پڑھے لکھے لوگوں کی فکری رسائی سے باہر تھے اُن کی دسترس میں آ گئے اس سے ہر طرف فکر اور شعور کی روشنی پھیل گئی۔

سبط حسن کی شخصیت کے ان تینوں پہلوؤں کے جائزہ سے ان کی خدمات ہمارے سامنے آتی ہیں یہ خدمات یقینی طور پر اس قابل ہیں کہ قوم ان پر فخر کر سکتی ہے سبط حسن نے اپنی تمام زندگی ایک سیاسی فلسفہ جسے مارکسی فلسفہ کہا جاتا ہے کہ تحت گذاری گو کہ اس طور سے زندگی گزارنے میں انہیں کئی مشکلات سے بھی گذرنا پڑا لیکن سبط حسن نے پائے استقامت میں کبھی لرزش نہ آئی۔

حوالہ جات

۱۔ سبط حسن، سید، ادب اور روشن خیالی، مرتبہ، سید جعفر احمد، مکتبہ دانیال، کراچی، ۱۹۹۰ء، ص ۱۷۹

۲۔ ایضاً، ص ۱۷۹-۱۷۸ ۳۔ ایضاً، ص ۱۸۱-۱۸۰

۴۔ سبط حسن، سید، پاکستان کے تہذیبی و سیاسی مسائل، مکتبہ دانیال، کراچی، ۲۰۰۲ء، ص ۵

۵۔ ایضاً، ص ۸ ۶۔ ایضاً، ص ۹

۷۔ وولفرام کرنوسکی، ای ایف یو، ایک تحریک، مترجم، باقر نقوی، اکادمی بازیافت، کراچی، ۲۰۰۷ء، ص ۳۲۰

۸۔ سبط حسن، سید، ماضی کے مزار، مکتبہ دانیال، کراچی، ۱۹۷۶ء، ص ۵۲-۱

۹۔ سبط حسن، سید، سخن در سخن، مکتبہ دانیال، کراچی، بار دوم، ۲۰۰۹، ص ۱۶